امام ابو المظفر السمعانیؒ

حیات وخدمات

تحریر: ثناء اللہ بھٹو

ترجمہ: محمد جرجیس کریمی

اسلام تمام شعبۂ حیات کو محیط ہے اور فرد و معاشرہ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔ اس میں علم کی بڑی اہمیت جتائی گئی ہے اور علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ شریعت اسلامیہ سے ایک بے مثال تہذیب کی تشکیل ہوئی اور اس میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور انھوں نے علوم و فنون کے فروغ کے لیے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔

اسلامی تہذیب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے نامور علماء نے ہر شعبۂ علم میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ انہی میں علامہ امام ابو المظفر السمعانیؒ بھی ہیں جو پانچویں صدی ہجری کے اندر ایک مفسر، فقیہہ کی حیثیت سے گذرے ہیں اور جو مفتی خراسان کے نام سے مشہور ہیں۔ زیر نظر مضمون انہی کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے۔

نام اور نسب

آپ کا نام منصور بن محمد بن عبد الجبار ابن الفضل بن الربیع بن مسلم بن عبد اللہ ہے۔ قبیلہ بنی تمیم کی نسبت سے تمیمی کہلاتے ہیں۔ آپ ایک صوفی، بزرگ، امام، زاہد، متقی اور پرہیزگار عالم تھے پوری اسلامی دنیا میں آپ کے فضل و تقویٰ کی شہرت تھی اور مفتی خراسان کے لقب سے معروف تھے۔ آپ کی ولادت ذی الحجہ ۴۲۶ھ میں خراسان کے ایک بڑے شہر مرو شاہجہاں میں ہوئی۔

خاندان

سمعان کی نسبت سے آپ کو سمعانی کہا جاتا ہے جو قبیلہ بنی تمیم کے ایک خاندان کی طرف منسوب ہے۔ اسلامی دنیا میں اس وقت آپ کا خاندان علم وفضل کے معاملہ میں نہایت ممتاز اور فائق تھا۔ جس نے مشرق وسطیٰ میں اسلامی عقیدہ وافکار کی کافی نشرواشاعت کی اور خراسان میں بھی اس کی دینی خدمات قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان کو مادی اور معنوی اعتبار سے جس طرح بلندی عطا فرمائی تھی اسی طرح علوم شرقیہ اور امور دینی میں بھی ان کا خاص مقام تھا بالخصوص فقہ، حدیث اور تفسیر کے علوم میں اس خاندان نے ایسے قدآور علماء پیدا کیے جنھیں امامت وقیادت کا مقام حاصل تھا۔ علم وقضا کی مسندیں ان سے مزین ہوگئیں اور متعدد مقامات پر افتاء اور تدریس کے فرائض بھی ان کے ذریعہ انجام پائے۔ یہ بات بہت مشہور رہے کہ مرو میں اسلامی کتب پر مشتمل دس بڑی لائبریریاں تھیں جن میں سے دو خاص امام موصوف کے خاندان کی ملکیت تھیں۔

امام سمعانیؒ کی سوانح اور ان کی خدمات کو ذکر کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ اس دور کے سیاسی دینی اور ثقافتی حالات پر بھی روشنی ڈال دی جائے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کی شخصیت کے ارتقا میں ان حالات کا اثر کہاں تک ہے۔

سیاسی حالات

امام سمعانیؒ ۴۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۹ھ میں وفات پائی ان کی زندگی ۶۳ برس پر مشتمل ہے۔ اس دور میں اسلامی دنیا میں مختلف قسم کے انقلابات رونما ہوئے۔ امام سمعانی نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو اس زمانے کے سیاسی حالات نہایت ابتر تھے۔ بہائیوں کا ایران کے کچھ علاقوں پر تسلط تھا اور بغداد کی عباسی حکومت میں انھیں کافی اثرورسوخ حاصل تھا۔ یہ لوگ غالی شیعہ تھے۔ تاہم یہ ان کا آخری دور تھا۔ ان کے مقابلے میں سلجوقی لوگ تھے۔ جو بڑی چالاکی اور ہوشمندی سے اپنے اقتدار کی جڑیں مضبوط کر رہے تھے اور اس مہم میں زیادہ جرأت وشجاعت کا ثبوت دے رہے تھے۔

سلاجقہ ترکمان قبائل کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو اپنے آپ کو اپنے سردار سلجوق کی طرف

منسوب کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ ترکستان کے میدانی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ پھر انھوں نے مسلمانوں کے شہروں کا رخ کیا اور سامانیوں، خانیوں اور غزنیوں کے پڑوس میں آباد ہونا شروع ہوئے۔ جنھیں ماوراء النہر کے علاقوں میں اقتدار حاصل تھا۔ ان کے ساتھ اس قربت نے سلجوقیوں کو اسلام اور سنی مذہب سے متعارف کرایا۔ پھر انھوں نے دریائے سیحون کے ساحلی علاقوں کے زرخیز آراضی پر اپنی مستقل آبادیاں قائم کیں پھر ۳۸۹ھ میں خانیوں، سامانیوں اور غزنیوں کے آپسی جھگڑوں کی وجہ سے سلجوقیوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ مال و دولت اور فوجی ساز و سامان کے اعتبار سے لیس ہو جائیں اور چند سالوں کے اندر ہی اندر انھوں نے ایک ایسی فوج تیار کرلی جو اپنی تعداد اور وسائل کے اعتبار سے پوری طرح لیس تھی۔

قرآن و سنت سے وابستگی کے معاملہ میں ان کے یہاں ایک قسم کی شدت اور صلابت پائی جاتی تھی جس کی وجہ ان کی بدویانہ سادگی اور قبائلی زندگی ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اسلام ایسے حکام کے ذریعہ قبول کیا تھا جو خود کو اہل السنہ والجماعت کہتے تھے۔ اسی طرح بغداد کے عباسی خلیفہ سے اظہار وفاداری کے معاملہ میں بھی ان کا جذباتی رویہ نمایاں تھا۔

خانیوں اور غزنیوں نے اس نوزائیدہ سلجوقی قوت کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے سلجوقی لیڈر اسرائیل سلجوق کو قید کرکے جیل میں ڈال دیا حتیٰ کہ اس کی وہیں موت واقع ہوگئی، اس کے بھائی میکائیل سلجوقی نے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایک منصوبہ بنایا اور خراسان میں قیام کرکے غزنوی حکومت کے خلاف اس نے اپنی سرگرمیاں شروع کردیں، سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مسعود غزنوی سے اس نے اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لے لیا۔ ۴۳۱ھ میں داندانقان کے مقام پر غزنیوں اور سلجوقیوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں غزنیوں نے شکست کھائی۔ اس جنگ میں سلجوقی فوج کی قیادت طغرل بیگ کر رہا تھا اور غزنویوں کی سربراہی مسعود غزنوی کے ہاتھ میں تھی۔ اس طرح سلجوقیوں نے وہاں اپنی حکومت قائم کرلی۔ دوسری طرف خلافت عباسیہ کا حال یہ تھا کہ اس نے ابتداءً سلجوقیوں کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا لیکن ۴۳۲ھ میں اس نے اس حکومت کو تسلیم کرلیا، اس طرح سلجوقیوں کو

ماوراء النہر کے علاقہ پر شرعی حکومت کی حیثیت حاصل ہوگئی، طغرل بیگ کے ارادے بلند تھے چنانچہ اس نے ایران کے سارے علاقوں میں قیام حکومت کے لیے ایک نقشۂ عمل تیار کیا اور ۴۳۲ھ سے اس نے اپنے نقشہ کے مطابق اقدامات کا آغاز کیا اور ۴۴۶ھ تک اس کا منصوبہ مکمل ہوگیا۔ وہ اب ایران کے مشرقی، مغربی اور جنوبی علاقوں پر قابض ہو چکا تھا اور اس کی بدولت بغداد کے عباسی خلیفہ نے بھی اس کی اہمیت اور حیثیت کو تسلیم کر لیا عباسی خلافت یہ دیکھ رہی تھی کہ عراق کے اندر فاطمیوں کا اثر و نفوذ بڑھتا جا رہا ہے اور بہائی بھی وہاں اپنے مسلک کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں نیز ترک اور دیلمی افواج کی ایک کثیر تعداد نے فاطمی مسلک کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ نے اس خطرے کے خلاف سلجوقیوں کو استعمال کرنا چاہا اس نے امیر طغرل بیگ کے پاس ایک وفد بھیجا اور انھیں زیارت بغداد کی دعوت دی۔ چنانچہ طغرل بیگ ۴۴۷ھ میں بغداد آیا۔ خلیفہ عباسی کے حکم سے وہاں کی مساجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور سکوں پر اس کا نام نقش کیا گیا۔

طغرل بیگ نے بغداد آنے کے بعد فاطمیوں کے اثرات کی بیخ کنی شروع کی اور بہائیوں کے اثرات کا خاتمہ کر دیا۔ خلافت عباسی میں یہ دم خم نہ تھا کہ وہ سلجوقیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کا مقابلہ کرتے چنانچہ طغرل بیگ کا بغداد آنا وہاں پر اس کے غلبہ و تسلط کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور بغداد بھی گویا سلجوقی حکومت کا ایک حصہ بن گیا۔ جہاں عباسی حکومت کا صرف نام اور رسم باقی رہ گیا۔ امام سمعانی نے اپنے عہد میں جن تین سلجوقی بادشاہوں کا دور دیکھا ان کے نام یہ ہیں واضح رہے کہ ان کے دور میں ریعان میں سلجوقی حکومت اپنے شباب پر تھی۔

۱۔ امیر طغرل بیگ محمد بن میکائیل ۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ۔
۲۔ عضد الدین الپ ارسلان ابوشجاع ۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ۔
۳۔ جلال الدین ابوالفتح ملک شاہ ۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ۔

یہ اس زمانے کی سیاسی صورت حال تھی۔

دینی حالات

اس زمانے کی دینی صورت حال بھی رو بہ زوال تھی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ بہت سے

دینی فرقے وجود میں آچکے تھے اور لوگوں کے فکر و عقیدہ کو بری طرح متاثر کر رہے تھے۔ اس کا سب سے درد انگیز پہلو یہ ہے کہ اب وہ خالص دینی فضا باقی نہیں رہی تھی جس کا مشاہدہ انسانی آنکھوں نے خلفاء راشدین کے عہد میں کیا تھا۔ اس دور کے ہر فرقے کی اپنی اپنی سرگرمیاں تھیں جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

اہلِ سنت

اہل سنت سے مراد وہ لوگ ہیں جو کتاب وسنت کو مرجع خالص تصور کرتے ہیں اور مضبوطی کے ساتھ وہ اس پر قائم ہیں اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کی خوشخبری دی ہے۔ (ما انا علیہ واصحابی) سلجوقی اسی جماعت سے خود کو منسوب کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں سنی مذہب کو خاص تقویت حاصل ہوئی جبکہ شیعہ حضرات نے بہائیوں کے دور حکومت میں اسے تقریباً فنا ہی کر دیا تھا۔ اور فاطمیوں نے بغداد میں اپنا غلبہ جمانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

شیعہ

سنی مذہب کے مقابلے میں ہر جگہ اور ہر دور میں شیعیت سب سے بڑا مذہب رہا ہے اور مرور زمانہ کے ساتھ اس میں ترقیاں بھی ہوتی رہی ہیں حتیٰ کہ اس کے افراد اسلامی حکومتوں کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں جس کی وجہ سے خلفاء اور حکام میں شیعیت کا میلان پیدا ہوا اور چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے دوران بہائیوں کے ذریعہ اسلامی حکومتوں پر اس کو قبضہ بھی حاصل ہوا لیکن سلجوقی اپنے مذہب پر قائم رہے اور عباسی خلافت کے حامی و مددگار بنے رہے اور مشرق وسطیٰ خصوصاً ایران میں اپنے غلبہ اور اپنے مسلک کے مطابق حکومت بھی قائم کی۔ لیکن اس کے باوجود وہ شیعیت کی مکمل بیخ کنی سے قاصر رہے اور اس کا وجود باقی رہا اس صورت حال میں شیعیت اپنے اندرونی حالات کی تنظیم و تربیت میں لگ گئی اور مدرسوں اور مسجدوں میں اپنے عقائد کی ترویج و اشاعت پر اپنی ساری قوت مرکوز کر دی اور ہر موقع کو غنیمت جان کر اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔

۶۷۴

معتزلہ

یونانی فلسفہ میں حد سے زیادہ استغراق کی بدولت یہ مسلک وجود میں آیا جبکہ یونانی فلسفے فرضی خیالات تھے جن کی بنیادیں موہوم تھیں لیکن ان کے ساتھ ثابت شدہ حقائق کا معاملہ کیا جانے لگا۔ مامون الرشید کے اس نظریہ کی طرف میلان کی وجہ سے معتزلیوں کو اسلامی حکومت میں قدم جمانے کا موقع ملا اور نت نئے فلسفیانہ فتنے اٹھنے لگے۔ خلق قرآن کے مسئلہ نے دوسری اور تیسری صدی ہجری کے اندر عالم اسلام میں ناخوشگوار اثرات مرتب کیے پھر ابوالحسن اشعریؒ کے زمانے میں اعتزال کا زور کچھ ٹوٹا کیونکہ موصوف نے اس کے نظریات وعقائد کو مستحکم دلائل کے ساتھ باطل قرار دے دیا تھا۔ ان کے بعد امام ابوحامد غزالیؒ نے اس فلسفہ کے مسلمات کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ اس طرح یونانی فلسفہ کا محل زمیں بوس ہوگیا اور اس فتنہ پر مبنی تمام باطل نظریات کا پرچم سرنگوں ہوگیا۔

ثقافتی حالات

پانچویں صدی ہجری یعنی سلجوقیوں کے دورِ عروج میں دنیا میں اسلامی ثقافت ارتقاء پذیر تھی جس میں عربی زبان وادب اور اسلامی علوم کو فروغ حاصل ہوا اور اس سے ایسے مثبت نتائج برآمد ہوئے جن سے امت مسلمہ خوب خوب مستفید ہوئی۔ اسلامی تہذیب کا دوسری تہذیبوں سے اختلاط ہوا اور اس کی بناء پر فکر اسلامی کے فروغ اور عربی زبان کے ارتقاء واستحکام میں کافی مدد ملی۔ مسلمانوں کا ایسی تہذیبوں سے رابطہ ہوا جن کے پاس مختلف قسم کے عقلی ونقلی علوم تھے وہ ان سب کے وارث بن گئے۔
اس طرح اسلامی افکار وعقائد کی خوب اشاعت ہوئی اور مسلمانوں میں بحث وتحقیق تالیف وتصنیف اور ترجمہ کی تحریک پیدا ہوئی اور اسلامی دنیا میں طالب علموں اور عالموں کی نقل وحرکت تیز تر ہوگئی۔

یوں تو مسلمانوں میں تعلیم وتدریس کا آغاز عہد نبویؐ ہی میں ہوچکا تھا لیکن اس وقت مسجدوں میں محدود طور پر یہ نظام قائم تھا مگر سلجوقیوں کی یہ یادگار ہے کہ انھوں نے مستقل عربی مدارس کی تنظیم وتشکیل کا بیڑا اٹھایا اور معقول انداز میں بڑے بڑے مدارس قائم کیے جس

میں طلباء کو ہر طرح کی سہولیات فراہم کی جاتیں۔ اس بارے میں سلطان نظام الملک امیر الپ ارسلان اور ان کے لڑکے ابوالفتح ملک شاہ کے وزیر نظام الملک طوسی کی کوششیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ نظام الملک الطوسی ایک جید عالم تھا وہ طوس میں قرآن وسنت کا درس دیا کرتا تھا۔ علوم اور اہلِ علم کا قدر شناس تھا۔ وہ طالب علموں کی قدر کرتا تھا، ان میں نمایاں افراد کی تلاش کرتا تھا اور ان کے لیے مدارس قائم کرتا۔ مدارس کے لیے جاگیریں وقف کرتا۔ ہر مدرسہ میں لائبریری ہوتی علماء کے لیے وظائف متعین ہوتے جن سے وہ معاشی تنگ ودو سے بے نیاز ہو سکیں اور وہ درس وتدریس اور علوم ومعارف کی تبلیغ و اشاعت کے لیے یکسو ہو سکیں۔

الطوسی نے اصفہان، نیشاپور اور مرو جیسے بڑے بڑے شہروں میں بھی دینی مدارس قائم کیے اس اقدام سے علم کی دنیا میں ان کا نام ہمیشہ کے لیے ایک نامور علم پرور کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔ ان مدارس کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ دنیا کے ہر حصہ سے طلبہ اور نامور علماء وہاں آنے لگے۔

امام سمعانی نے شافعیؒ مسلک کے ایک مدرسہ میں بھی تعلیم پائی تھی۔ اس کے علاوہ بوشنج میں ابن خاضرۃ الاسدی البغدادی متوفی ۴۵۰ھ کا ایک مدرسہ تھا۔ یہی وہ مدرسے تھے جنھوں نے فکری تحریک کی پرورش میں اہم رول ادا کیا اور جہاں سے مختلف خطوں کے طالبان علم نے کسب فیض کیا۔ ان ہی طالب علموں میں ابوالمظفر سمعانی بھی تھے۔

مستزاد یہ کہ مسجدوں میں لائبریریاں قائم تھیں، جہاں مختلف علوم وفنون پر کتابوں کا ذخیرہ ہوتا تھا اسی طرح باحیثیت لوگوں نے اپنی ذاتی لائبریریاں قائم کر رکھی تھیں جن سے اسلامی علوم وفنون کو کافی عروج حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ سلجوقیوں نے ایران اور ماوراء النہر کے علاقوں میں بھی علمی اور ثقافتی خدمات انجام دیں۔ یہی وہ سیاسی دینی اور علمی وثقافتی ماحول تھا جس میں امام سمعانی نے پرورش پائی اور ان کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اس نے اپنا حصہ ادا کیا۔

پرورش

امام سمعانی کی پرورش ایسے علمی ماحول میں ہوئی جہاں علم ومعرفت کا ہر طرف چرچا

تھا ہر قسم کے دینی علوم کے ماہرین موجود تھے ان کے والد امام محمد بن عبد الجبار بن احمد القاضی مسلک حنفی کے امام تھے ان سے آپ نے فقہ میں دسترس حاصل کی۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ "امام سمعانی نے اپنے والد سے طفولت سے پیری تک حدیث سنی ہے" لیکن امام موصوف نے صرف اپنے والد ہی سے تحصیل علم نہ کیا بلکہ اور بھی دیگر اساتذہ وقت سے شرف تلمذ حاصل کیا جس کے لیے انھیں بغداد اور حجاز کا سفر کرنا پڑا تب جا کر انھیں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم میں مہارت حاصل ہوئی۔ مفتی خراسان کے مقام تک پہنچے۔ علم کی دنیا میں انھیں قابلِ قدر مقام حاصل ہوا اور نمایاں علما میں ان کا شمار ہونے لگا۔

علمی اسفار

امام سمعانی سنہ ۴۶۱ھ میں بغداد آئے اور عراقی علماء سے تحصیل علم کیا پھر حجاز گئے حجاز کے سفر میں ان کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہوا یہ کہ عرب کے کچھ دیہاتیوں نے انھیں قید کر لیا اور اونٹوں کی رکھوالی کا کام سپرد کیا۔ ان عرب دیہاتیوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ انھوں نے کیسے بڑے عالم کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس قبیلے کے سردار نے شادی کا ارادہ کیا اور عقد کے لیے کسی عالم کی تلاش کے ارادہ سے کسی دوسرے شہر کے سفر کا ارادہ کر رہا تھا تو امام کے قیدی ساتھیوں میں سے ایک نے اسے بتایا کہ تم نے جس شخص کو اونٹوں کے چرانے پر لگا رکھا ہے خراسان کا فقیہ ہے۔ یہ سن کر اس نے امام کو طلب کیا اور ان سے امتحاناً کچھ سوالات کیے آپ نے ان کے جوابات عربی زبان میں دیے اس پر وہ بہت نادم ہوا اور ان سے اپنے فعل کی معذرت چاہی۔ چنانچہ امام نے اس کا نکاح پڑھا دیا۔ سردار نے انھیں کچھ نذرانہ پیش کیا جسے آپ نے قبول نہیں کیا۔ جس سے ان کی نگاہ میں آپ کی عزت اور بھی زیادہ ہوگئی۔ چنانچہ انھوں نے عزت و تکریم کے ساتھ آپ کو مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ آپ نے وہاں کے علماء سے کسب فیض کیا اور پھر حج کر کے خراسان واپس آ گئے۔ ان کی واپسی ۴۶۸ھ میں ہوئی۔

تبدیلیٔ مسلک

امام سمعانی نے بغداد اور حجاز کے سفر سے واپس آنے کے بعد شافعی مسلک کو ۴۶۳ھ

اختیار کرنے کا اعلان کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حنفی مسلک کے فقہی مبادیات پر انھیں اطمینان نہیں تھا اور اس کے مقابلے میں شافعی مسلک کے فقہی اصول انھیں زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوئے۔ امام سمعانی جیسا عالم اگر یہ اقدام کرتا ہے تو اس کی بنیاد پر انھیں مستحق ملامت نہیں سمجھا جاسکتا اس لیے کہ وہ بہر حال علم وفہم، ذہانت وفطانت اور دینداری وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ ایک شخص اپنی خواہشات نفس کی تسکین کی خاطر ایک مسلک کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کرتا ہے یا کچھ رخصتوں اور رعایتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کی اجازت ائمہ اربعہ سے کسی نے نہیں دی ہے۔ اس لیے کہ یہ اقدام دین اور شعائر دین سے کھلواڑ کے مترادف ہے۔

امام سمعانی کے تبدیلی مسلک کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ اس زمانہ میں مسلک حنفی کے علما، پر فرقہ قدریہ کے افکار کا غلبہ تھا۔ ان کے پوتے اپنے دادا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے اپنا مسلک تبدیل کیا تو ان کے بھائی نے ازراہِ نفرت وکراہت ان سے ترک تعلق کر لیا۔ امام موصوف نے اپنے بھائی کے نام ایک خط میں یہ صراحت کی کہ میں نے اصول کے معاملہ میں اپنے والد رحمہ اللہ کا مسلک ترک نہیں کیا ہے بلکہ میں نے قدریہ مسلک سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ اس لیے کہ مرد والے عقیدے کے اعتبار سے قدری ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے قدریہ کی تردید میں بیس[۲] جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھی جسے انھوں نے اپنے بھائی کو تحفۃً بھیجا۔ اسے پڑھ کر وہ آپ کے طرز عمل سے مطمئن ہو گئے اور ان کے دل کی کدورت جاتی رہی یہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے بیٹے کو آپ سے علم وفقہ سیکھنے کی ہدایت کی چنانچہ وہ ایک مدت تک آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ جب امام سمعانی نے تبدیلی مسلک کا اعلان کیا تو لوگوں نے انھیں مطعون کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس بارے میں لوگوں کے دو گروپ بن گئے اور ان میں تصادم کی صورت حال پیدا ہو گئی جس کو دیکھ کر امام موصوف نے کچھ دنوں کے لیے شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ رمضان ۴۶۸ھ میں وہ وہاں سے نکل گئے اور طوس کا رخ کیا پھر وہاں سے نیشاپور آئے جہاں ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ نیشاپور میں ایک طویل عرصہ قیام کے بعد وہ پھر ۴۷۹ھ میں مرو واپس آ گئے اس

وقت تک تعصب کی فضا سرد ہو چکی تھی۔ انھوں نے وہاں جم کر پہلے سے زیادہ بڑے پیمانے پر علم و دین کی خدمت شروع کی۔

امام سمعانی نے جرجان، اصبہان، ہمدان اور قزوین کے اساتذۂ وقت سے استفادہ کیا ہے۔ ذیل میں ان کے چند اساتذہ اور شاگردوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

اساتذہ

آپ کے اساتذہ کی مکمل فہرست مہیا کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ ان کی تعداد بہت ہے اس سلسلے میں امام موصوف کی کتاب معجم الشیوخ دیکھنا مفید رہے گا جس میں انھوں نے اپنے اساتذہ اور تلامذہ کا مفصل تذکرہ جمع کیا ہے۔ علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ "انھوں نے ایک ہزار حدیثوں کو سو شیوخ سے سن کر جمع کیا ہے، ان کے پوتے ابوسعد لکھتے ہیں کہ "میرے دادا نے خراسان، جرجان اور حجاز کے اساتذہ وقت کی ایک بڑی جماعت سے استفادہ کیا ہے۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ انھوں نے خراسان، عراق اور حجاز کے شیوخ سے فیض حاصل کیا ہے۔ آپ کے چند مشہور اساتذہ یہ ہیں۔

۱۔ ابراہیم بن علی بن یوسف، جمال الدین (ابواسحاق) فیروزآبادی شیرازی، متوفی سنہ ۴۷۶ھ ان سے امام سمعانی نے بغداد میں استفادہ کیا۔

۲۔ احمد بن عبدالملک بن علی، ابوصالح المؤذن متوفی سنہ ۴۷۰ھ ان سے نیساپور میں استفادہ کیا۔ یہ امام بغوی کے بھی استاد ہیں۔

۳۔ احمد بن علی بن اسد بن احمد بن باذل الکوجی "ابوالعباس" سنہ ۴۶۰ھ کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ حسن بن احمد المروزی بیان کرتے ہیں کہ میں امام سمعانی کے ساتھ حج کے لیے گیا تھا جب وہ مکہ پہنچے تو احمد بن اسد الکوجی کے یہاں قیام پذیر ہوئے جہاں امام موصوف نے ان سے استفادہ کیا۔

۴۔ احمد بن علی بن الحسین الکرائی "ابوغانم" متوفی سنہ ۴۴۴ھ یہ امام سمعانی کے سب سے بڑے استاد ہیں ان سے مرو میں فیض حاصل کیا۔

۵۔ احمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ ابوالحسن البزار المعروف بابن النقور متوفی سنہ ۴۷۰ھ امام سمعانی نے اپنی تفسیر کے اندر ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔

۴۶۵

۶۔ بکر بن محمد بن علی بن حید بن عبدالجبار بن النضر بن مسافر بن قصی، ابو منصور متوفی ۴۶۴ھ یہ تفسیر کے استاد تھے۔

۷۔ الحسن بن عبدالرحمٰن بن الحسن بن محمد بن احمد بن ابراہیم بن عبداللہ ابوعلی شافعی متوفی ۴۷۴ھ ان سے آپ نے مکہ میں استفادہ کیا۔

۸۔ سعد بن علی بن محمد بن علی بن الحسین ابوالقاسم الزنجانی متوفی ۴۷۱ھ ان سے آپ نے مکہ میں فیض حاصل کیا۔

۹۔ عبدالسید بن محمد بن عبدالواحد بن احمد بن جعفر ابونصر بن الصباغ متوفی ۴۷۷ھ ان سے امام سمعانی نے علمی بحثیں کیں اور استفادہ کیا۔

۱۰۔ عبدالصمد بن علی بن محمد بن الحسن بن الفضل بن المامون ابوغانم الہاشمی متوفی ۴۶۵ھ ان سے آپ نے بغداد میں فیض حاصل کیا۔

۱۱۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد القفال، ابوعبداللہ، امام سمعانی نے اپنی تفسیر میں ان سے روایت کی ہے۔

۱۲۔ عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن احمد بن المجمع بن ہزارمرد الصریفینی، ابو محمد متوفی ۴۶۹ھ ان سے امام کا سماع ہے۔

۱۳۔ کریمہ بنت احمد بن محمد بن حاتم المروزیۃ، ام الکرام، متوفی ۴۶۳ھ۔ امام موصوف نے ان سے اپنی تفسیر میں مستند احادیث بیان کی ہیں اور انھیں پڑھ کر بھی سنایا ہے۔

۱۴۔ محمد بن احمد بن محمد بن عمر بن الحسن السلمی البغدادی الحافظ، ابوجعفر بن المسلمہ، متوفی ۴۶۵ھ ان سے امام سمعانی نے استفادہ کیا ہے۔

۱۵۔ محمد بن اسماعیل بن محمد بن ابراہیم بن کثیر استرابادی، ابوحاجب متوفی ۴۶۸ھ امام سمعانی نے ان سے سماعت کی۔

۱۶۔ امام محمد بن عبدالجبار بن احمد بن محمد بن جعفر بن احمد بن عبدالجبار بن الفضل السمعانی التیمی متوفی ۴۵۰ھ یہ امام موصوف کے والد محترم ہیں۔ بچپن ہی سے ان سے استفادہ کیا۔ عبدالغافر فرماتے ہیں کہ "امام سمعانی نے اپنے والد سے فقہ میں مہارت حاصل کی۔

۱۷۔ محمد بن عبدالصمد الترابی، ابوبکر المعروف بابی الہیثم متوفی ۴۶۳ھ ان سے مرو میں استفادہ کیا۔ یہ امام بغوی کے بھی استاد ہیں۔

۱۸۔ محمد بن علی بن محمد بن عبید اللہ بن عبد الصمد جو ابوالحسین بن المہتدی اور ابن الغریق کے نام سے معروف ہیں۔ متوفی ۴۶۵ھ۔ ان سے امام سمعانی نے بغداد میں استفادہ کیا۔

۱۹۔ المکی بن عبد الرزاق الکشمیہنی، ابو محمد المکی۔ امام سمعانی نے ان سے تفسیر میں روایت کی ہے، سلسلہ سند یہ ہے عن المکی عن جدہ ابی الہیثم۔

۲۰۔ ہیاج بن عبید بن الحسین الحطینی، ابو محمد، مفتی مکہ، متوفی ۴۷۲ھ۔ ان سے امام سمعانی نے مکہ میں استفادہ کیا۔

تلامذہ

آپ کے اساتذہ کی طرح تلامذہ بھی بہت ہیں جنہوں نے شہرت پائی ان میں سے کچھ تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابراہیم بن احمد بن محمد، ابواسحاق المروزی متوفی ۵۳۶ھ۔

۲۔ اسعد بن محمد بن ابو نصر المہینی۔ متوفی ۵۲۷ھ۔

۳۔ اسماعیل بن ابوصالح احمد بن عبد الملک بن علی بن عبد الصمد بن احمد، ابوسعد المؤذن، متوفی ۵۳۲ھ۔

۴۔ الجنید بن محمد بن علی، ابوالقاسم القاینی متوفی ۵۴۷ھ۔

۵۔ عبد الرحمٰن بن عمر بن ایوب بن عبد الرحمٰن بن الحسین بن محمد بن علی، ابوالقاسم الصدقی، متوفی ۵۳۰ھ۔

۶۔ عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد الرحمٰن بن ابوالفضل البوبنجی الجوبیاری متوفی ۵۲۸ھ۔

۷۔ عبد الرحیم بن محمد بن عبد الرحمٰن بن الشافعی ابو محمد الفندینی متوفی ۵۲۹ھ۔

۸۔ عبد الرزاق بن عبد اللہ بن اسحاق الطوسی ابوالمعالی القدیر، متوفی ۵۱۵ھ۔

۹۔ عبد اللہ بن عمر بن محمد بن ابومعشر الغزنوی متوفی ۵۲۸ھ۔ یہ مرو کے رہنے والے تھے۔

۱۰۔ عبد اللہ بن محمد بن الحسن الحامی ابو محمد المقری جو اولیاء کے نام سے معروف تھے۔ متوفی ۵۲۸ھ۔ مرو کے رہنے والے تھے۔

۱۱۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن احمد بن عبد اللہ، ابو محمد الفندونی متوفی ۵۳۰ھ۔

۱۲۔ عمر بن عبد الرحیم ابوبکر الشاشی متوفی ۵۲۹ھ۔

۶۷ھ

۱۳۔ عمر بن علی بن ابو نصر ابو حفص الشیرازی متوفی ۵۲۹ھ ۔

۱۴۔ فضل اللہ محمد بن محمود ابو الفتح الشجاعی المعروف بالسرۃ مرد متوفی ۵۲۸ھ یہ سرخس کے رہنے والے تھے ۔

۱۵۔ المؤمل بن مرد بن ابو سہل بن مامون الشاشی الخرکی المامونی متوفی ۵۱۶ھ ۔ یہ شاش کے رہنے والے تھے ۔

۱۶۔ محمد بن ابوبکر بن محمد بن عبداللہ السلیان المروزی، ابو عبداللہ الرازی متوفی ۵۲۹ھ ۔

۱۷۔ محمد بن سعید بن مسعود ابو الفضل المسعودی متوفی ۵۱۸ھ ۔ مرو کے رہنے والے تھے ۔

۱۸۔ محمد بن محمد بن یوسف ابو النصر الفاشانی المروزی متوفی ۵۲۹ھ ۔ انھوں نے امام سمعانی سے صرف سماعت کی ہے ۔

۱۹۔ محمد بن محمد بن عبداللہ بن ابو سہل بن ابو طلحہ، ابو طاہر السنجی الحافظ متوفی ۵۴۸ھ ۔

۲۰۔ محمد بن منصور بن محمد بن عبدالجبار السمعانی متوفی ۵۱۰ھ یہ امام موصوف کے لڑکے ہیں ۔ ان کے بارے میں آپ کا کہنا تھا کہ "میرا لڑکا محمد علم وفضل میں مجھ سے بڑھا ہوا ہے ۔

۲۱۔ محمود بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم الفارسی ابو المجد الشیرازی متوفی ۵۲۵ھ ۔

۲۲۔ منصور بن احمد بن الفضل بن نصر بن عصام المنہاجی، ابو القاسم الاسفزاری متوفی ۵۰۲ھ ۔

۲۳۔ منصور بن محمد بن منصور بن عبداللہ بن احمد، ابو المظفر الغازی متوفی ۵۲۹ھ ۔ یہ ان کے تلامذہ کی مختصر فہرست ہے ان کے پوتے فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے دادا کے حوالے سے ہرات کے ابو القاسم الجنید اور بلخ کے ابو طاہر اور نیشاپور کے ابوبکر اور طوس کے ابو الولید اور اصبہان کے ابو منصور نے حدیث کی روایت کی ہے ۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے دادا کے حوالے سے مجھ سے روایت کی ہے جن کی تعداد پچاس سے زیادہ ہوگی یہاں پر ان کے سارے تلامذہ کا ذکر ممکن نہیں ہے ۔ علامہ ذہبی ان کے تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " ان سے خلق کثیر نے شرف تلمذ حاصل کیا ہے ۔

امام سمعانی کے بارے میں متقدمین علمار کی آرار کا یہ خلاصہ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام موصوف علم وفضل میں بلند مرتبہ کو پہونچے ہوئے تھے اور انھوں نے علم ودین کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی تھی ۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے

اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

تصنیفات

مختلف موضوعات پر امام سمعانی کی تصانیف موجود ہیں۔ ان میں سے چند تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ التفسیر الحسن الملیح۔ یہ تین جلدوں میں ہے، اس کی افادیت ہمہ گیر ہے۔ مدینہ یونیورسٹی میں اس پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔

۲۔ الانتصار لاصحاب الحدیث۔ فن حدیث پر یہ ایک مختصر کتاب ہے جس میں صرف تین ابواب ہیں۔ پہلا باب الحث علی السنۃ والجماعۃ کے عنوان سے ہے دوسرا باب فضل الحدیث کے عنوان سے ہے، تیسرا باب شجرۃ العلم کے عنوان سے ہے۔

۳۔ منہاج اہل السنۃ۔

۴۔ الرد علی القدریۃ۔ یہ کتاب بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

۵۔ الاحادیث الالف الحسان۔ اس کتاب میں ایک سو شیوخ سے مروی ایک ہزار حدیثیں ہیں۔ ہر شیخ سے دس احادیث مروی ہیں۔

۶۔ القواطع۔ یہ کتاب اصول فقہ سے متعلق ہے۔ اس کتاب کو امام موصوف کے معاصر علماء نے کافی سراہا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن ہیتو اور عبداللہ بن حافظ الحکمی نے اس پر تحقیق کی ہے۔ موخر الذکر کو اس پر محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی ہے۔

۷۔ البرہان۔ اس میں ایک ہزار اختلافی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

۸۔ کتاب الاوسط۔ یہ کتاب بھی اختلافی مسائل پر مشتمل ہے۔

۹۔ الاصطلام۔ یہ ابو زید الدبوسی کی ایک کتاب کی تردید میں ہے۔

۱۰۔ الطبقات۔ ان کے علاوہ ان کی اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔

وفات

امام سمعانی کی وفات ۲۳ ربیع الاول ۴۸۹ھ کو ہوئی، مرو کے ایک قبرستان

سنجدان میں مدفون ہیں۔

علامہ سمعانی کا علمی مقام، علماء کی نظر میں

امام سمعانی ایک ہمہ پہلو شخصیت کے مالک تھے معاصر اور بعد کے علماء نے ان کی شخصیت کو سراہا ہے اور ان کو امامت کا درجہ دیا ہے علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ "وہ اپنے زمانے کے امام تھے جس کا ان کے مخالفین کو بھی اقرار تھا۔

عقائد میں وہ امام تھے اور گمراہ فرقوں کے بارے میں وہ سب سے زیادہ حساس اور مخالف تھے۔ چنانچہ انھوں نے قدریہ کی تردید میں کتاب لکھی اور دوسرے گمراہ فرقوں سے مناظرے کیے آپ سنت پر سختی کے ساتھ عامل تھے اور بدعات کو سخت ناپسند کیا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اہل حدیث یعنی اہل سنت والجماعت سے آپ کی عصبیت اتنی گہری تھی کہ مخالفین کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ جبکہ اہل سنت کے لیے ایک حجت تھے۔ فقہ اور افتاء میں بھی ان کی امامت مسلم تھی آپ کو اس عہد میں فقہ کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا گیا ہے۔ امام حرمین فرماتے ہیں کہ اگر فقہ کو ایک تہہ در تہہ کپڑا تصور کرلیا جائے تو امام سمعانی اس کے تہہ لگانے والے اور کھولنے والے تھے۔ ابوالقاسم بن امام الحرمین فرماتے ہیں کہ "امام موصوف اپنے وقت کے امام شافعی تھے انھوں نے فقہ اور اصول فقہ میں بے مثال کتابیں تصنیف کیں۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ اصولِ فقہ میں 'القواطع' سے اچھی کتاب مجھے نہیں ملی۔

تصنیف و تالیف کی طرح دیگر فنون میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے پوتے ابوسعد عبدالکریم فرماتے ہیں کہ "جو شخص امام موصوف کی تصانیف کا مطالعہ کرے گا اسے ان کے علمی مرتبہ کا اندازہ ہو جائے گا" علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں کہ "عربی زبان میں ان کو مہارت حاصل تھی اور اس میں ان کی مفید تصنیفات ہیں۔" تفسیر میں بھی انھیں درجہ امامت حاصل تھا ان کے پوتے کی روایت ہے کہ جس نے بھی ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا وہ اس کی تحسین و تعریف پر مجبور ہوا۔ ابن خلکان اور علامہ الیافعی فرماتے ہیں کہ "ان کی تفسیر ایک نفیس تفسیر ہے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ امام سمعانی زہد و ورع میں بھی ممتاز تھے۔ عبدالغافر

کہتے ہیں کہ فضل وکمال ہو یا زہد و ورع سب میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ علامہ السبکی فرماتے ہیں کہ امام موصوف جلیل القدر عالم، زاہد اور متقی تھے۔ آپ کا شمار ان اماموں وقت میں ہوتا ہے جو اپنے وقت میں اپنے علمی مرتبہ کی وجہ سے غیر معمولی طور معروف ہوئے۔ ذہانت وفطانت سے متعلق امام سمعانی ہی سے یہ قول منقول ہے کہ "میں نے جو چیز ایک بار یاد کر لی پھر کبھی اسے نہ بھولا۔

امام سمعانی کو وعظ ومناظرہ کے میدان میں بھی امامت کا درجہ حاصل تھا۔ علامہ الذہبی فرماتے ہیں کہ "وہ وعظ میں علم کا سمندر معلوم ہوتے تھے۔ علامہ ابوعلی بن الصفار فرماتے ہیں کہ "میں نے جب بھی امام موصوف سے مناظرہ کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ائمہ تابعین میں کسی نے مناظرہ کر رہا ہوں کیونکہ ان کے اندر صالحین کی علامات کا مشاہدہ کرتا تھا۔ یہ امام سمعانی کے حالات اور ان کی صفات تھیں جن کو ان کے معاصر اور بعد کے علماء نے بیان کیا ہے۔ ان کے پوتے فرماتے ہیں کہ "ہمارے دادا یکتائے روزگار عالم تھے ان کی ساری خوبیوں کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے اس کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہر شخص کو ہو سکتا ہے۔ طاش کبری زادہ فرماتے ہیں کہ" امام سمعانی ایک عظیم المرتبت شخص اور مشہور عالم تھے ان کا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔

ماخذومراجع

۱۔ ابن الاثیر: علی بن محمد بن محمد عزالدین ابوالحسن۔ (الف) الکامل فی التاریخ ط۔ دار الکتاب العربی، بیروت ط۔ ۵۔

(ب) اللباب فی تہذیب الانساب ط۔ دار صادر بیروت۔

۲۔ الاسنوی: عبدالرحیم جمال الدین الاسنوی: طبقات الشافعیۃ۔ تحقیق: عبداللہ الجبوری ط۔ الارشاد بغداد ۱۹۸۱ء

۳۔ البخاری الامام: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم ابوعبداللہ الامام البخاری ط۔ المکتبۃ الاسلامیۃ۔ استانبول۔

۴۔ البغدادی: اسماعیل باشا۔ ہدیۃ العارفین فی اسماء المؤلفین وآثار المصنفین ط۔ مکتبۃ المثنی بیروت۔ طبع استانبول ۱۹۵۵ء

۵۔ البغوی: الحسین بن مسعود بن محمد ابومحمد معالم التنزیل ط۔ مصطفی البابی الحلبی ط۔ ۲ مصر۔

۶۔ بروکلمان: کارل بروکلمان: تاریخ الادب العربی ط۔ دار المعارف مصر۔

۷۔ ابن تغری بردی: یوسف بن تغری بردی الاتابکی جمال الدین ابوالمحاسن النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر و

القاہرۃ ط۔ وزارۃ الثقافۃ۔ المؤسسۃ المصریۃ العامۃ۔
۸۔ ابن الجوزی: عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ط۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد۔ الہند۔
۹۔ حاجی خلیفہ: مصطفی بن عبداللہ الرومی الشہیر بالملا کاتب۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون۔ ط۔ مکتبۃ المثنی، بیروت۔
۱۰۔ حسنین: عبدالمنعم حسنین۔ الدکتور۔ دولۃ السلاجقۃ۔ ط۔ مکتبۃ الانجلو المصریۃ ۱۹۷۵م
۱۱۔ الخالدی: فاضل الخالدی۔ الحیاۃ السیاسیۃ ونظم الحکم فی العراق ط۔ مطبعۃ الایمان بغداد۔
۱۲۔ خطیب البغدادی: احمد بن علی ابوبکر الخطیب۔ تاریخ بغداد ط۔ دار الکتاب العربی۔ بیروت۔
۱۳۔ ابن خلکان: احمد بن محمد بن ابی بکر ابوالعباس شمس الدین: وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان۔ تحقیق د۔ احسان عباس ط۔ دار الصادر، بیروت۔
۱۴۔ ال[illegible]دی: محمد بن علی بن احمد شمس الدین الحافظ طبقات المفسرین ط۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت ط۔ ا
۱۵۔ ال[illegible] بن احمد بن عثمان شمس الدین الامام۔ (أ) سیر اعلام النبلاء۔ تحقیق: شعیب الارنووط، ط۔ موسسۃ الرسالہ[illegible]۔ (ب) العبر فی خبر من غبر۔ تحقیق: فواد سید ط۔ دائرۃ المطبوعات والنشر۔ الکویت ۱۹۶۱ء۔
۱۶۔ الز[illegible]یر الدین الزرکلی الاعلام۔ قاموس تراجم ط۔ دار العلم للملایین۔ بیروت ط۶۔
۱۷۔ السبکی: عبدالوہاب بن تقی الدین ابوالنصر تاج الدین۔ طبقات الشافعیہ الکبری۔ تحقیق: محمود محمد الطناحی، عبدالفتاح۔ ط۔ مطبعۃ عیسی البابی الحلبی۔ مصر۔
۱۸۔ السمعانی: عبدالکریم بن محمد بن منصور ابوسعد: (أ) التحبیر فی المعجم الکبیر۔ تحقیق: منیرہ ناجی سالم۔ ط۔ مطبعۃ الارشاد۔ بغداد ۱۳۹۵م۔ (ب) کتاب الانساب ط۔ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد الہند۔
السمعانی: منصور بن محمد بن عبدالجبار۔ (أ) تفسیر السمعانی: نسخۃ مصورۃ من المخطوط المحفوظ فی مکتبۃ جامعہ الازہر بمصر، برقم ۲۰۹۵ تفسیر۔ (ب) نسخۃ مصورۃ من المخطوط المحفوظ فی مکتبہ دار الکتب المصریہ رقم الایداع ۱۳۶ تفسیر۔
۱۹۔ الشیبانی: احمد بن محمد بن حنبل الامام۔ المسند ط۔ دار صادر۔ بیروت
۲۰۔ الصفدی: صلاح الدین بن خلیل عبداللہ۔ نکت الہمیان فی نکت العمیان ط مطبعۃ الجمالیۃ بمصر ۱۲۹۹م۔
۲۱۔ الصفدی: صلاح الدین بن خلیل بن عبداللہ۔ الوافی بالوفیات، ط دار النشر فرانز شتاینز بفیسبادن۔

۲۲۔ طاش کبری زادہ: احمد بن مصطفی۔ مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ، ط۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد الدکن۔ الہند۔
۲۳۔ ابن العماد: عبدالحی بن العماد ابو الفلاح۔ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب۔ ط۔ مکتبۃ القدس بجوار الازہر۔ ۱۳۵۰ھ۔
۲۴۔ العمری: اکرم ضیاء العمری الدکتور۔ دراسات تاریخیۃ ط۔ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورہ، ط ۱۴۰۳،۷ھ۔
۲۵۔ ابن کثیر: اسماعیل بن عمر بن کثیر ابو الفداء عماد الدین۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ط دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
۲۶۔ کحالۃ: عمر رضا کحالۃ: معجم المولفین۔ ط۔ دار احیاء التراث العربی۔ بیروت۔
۲۷۔ الیافعی: عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان ابو محمد۔ مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان۔ ط۔ موسسۃ الاعلمی بیروت
۲۸۔ یاقوت الحموی: یاقوت بن عبداللہ ابو عبداللہ الرومی۔ معجم البلدان، ط۔ دار صادر بیروت ۱۳۹۷ھ۔

(الدراسات الاسلامیہ، اسلام آباد، ج ۲۷ شمارہ ۲، شوال۔ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ / اپریل۔ جون ۱۹۹۲ء)

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ اسلام کے نظامِ معاشرت پر مصنف کو عبور حاصل ہے۔ اس میں انھوں نے آزادیٔ نسواں کے مغربی تصور کی زہرناکی بیان کی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کو اسلام نے جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی وضاحت ہے۔ پھر ان حقوق پر مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے ہوتے والے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مہر و نفقہ کا مسئلہ ہو یا طلاق و خلع کا، حجاب کی بحث ہو یا تعدد ازدواج کی، خاندان کی سربراہی کا قضیہ ہو یا ریاست کی قیادت کا، تمام ہی قابلِ ذکر پہلو زیرِ بحث آئے ہیں اور ان میں عورتوں کی مخصوص جسمانی صلاحیت، نفسیاتی تقاضے، معاشی ذمہ داریاں اور عدل و مساوات کے تقاضے تمام ہی پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہے۔ اس کی اضافی خوبی اس کا علمی اور استدلالی اسلوب ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندی اور انگریزی کے علاوہ ملک کی دیگر علاقائی زبانوں میں بھی اس قیمتی تصنیف کے ترجمے ہوں۔

دوسرا ایڈیشن صفحات ۲۰۰ قیمت ۳۵ روپے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲